International Research Journal of Arabic and Islamic Studies, Vol.:04, Issue: 01, Jan-Jun 2024
pp:865 - 893

OPEN ACCESS
IRJAIS
ISSN (Online): 2789-4010
ISSN (Print): 2789-4002
www. irjais.com

قرآن حکیم کی روشنی میں رحمتِ الٰہی کا تصور

Concept of Mercy of Allah in the Light of Holy Quran

Dr. Zulfikar Ahmad
Head Teacher, Govt. Primary School, Chak No.12 M. B. Din
Email: muhammadzulafqar8@gmail.com
Dr. Hafiz Muhammad Waseem Abbas
Assistant Professor, GIFT University, Gujranwala
Email: waseem.abbas@gift.edu.pk

Abstract

According to the Quranic point of view the attribute of mercy of Allah Almighty prevails over all other attributes. No matter how severely Allah Almighty treats man, in terms of purpose the good of man lies in it. In this sense, the aspect of mercy is also found in all the other attributes. If one studies deeply then every verse of Quran will prove a sight of mercy because, resultantly, the motive of every command of Allah will be for the betterment and success of human beings.

Keywords: Mercy of Allah, Quranic concept, Betterment of human being

تعارف موضوع

قرآن میں تصورِ الٰہ کے حوالے سے بظاہر تو رحمتِ الٰہی کے ساتھ ساتھ عدلِ الٰہی، غضبِ الٰہی اور انتقام کے موضوعات بھی زیرِ بحث لائے گئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر قرآن کے ایسے مقامات کا سیاق وسباق کے ساتھ گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ عدل وانتقام اور غضبِ الٰہی میں بھی رحمت کا پہلو ضرور پنہاں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عدلِ الٰہی ہی وہ چیز ہے جو کہ رحمت کی بنیاد ہے۔ قرآن میں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات میں العدل اور الحکیم کا تصور دیا ہے یہ اُس ذاتِ باری تعالیٰ کا انسان پر بڑا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ان صفات میں ہی اصل میں انسانیت کے لئے رحمت، فلاح اور کامیابی کا عنصر پنہاں ہے۔ اگر یہ صفات نہ ہوں تو نظامِ کائنات میں خلل آجائے اور انسانیت کے لئے اگر عدل واحسان کا حکم نہ ہوتا تو ہر طرف ظلم وبربریت کا دور دورہ ہوتا اور درندوں کی طرح طاقتور کمزوروں کو چیر پھاڑ دیتے۔

مولانا ابو الکلام آزاد نے "اُمُّ الکتاب" میں واضح طور پر لکھا ہے کہ قرآن اوّل سے آخر تک رحمت ہے یعنی اس میں جو بھی احکامات بیان ہوئے ہیں وہ بالآخر انسان کے لئے رحمت ہیں۔

CC BY

وہ لکھتے ہیں:

اور پھر یہی وجہ ہے کہ قرآن نے خدا کی کسی صفت کو بھی اس کثرت کے ساتھ نہیں دوہرایا ہے اور نہ کوئی مطلب اس کے صفحات میں اس درجہ نمایاں ہے جس قدر رحمت ہے۔ اگر قرآن کے وہ تمام مقامات جمع کیے جائیں جہاں رحمت کا ذکر کیا گیا تو تین سو سے زیادہ مقامات ہوں گے۔ اگر وہ تمام مقامات بھی شامل کر لیے جائیں جہاں اگرچہ لفظ رحمت استعمال نہیں ہوا ہے لیکن ان کا تعلق رحمت سے ہے، مثلاً ربوبیت، مغفرت، رافت، کرم، حلم، عفو وغیرہ تو پھر یہ تعداد اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن اوّل سے لے کر آخر تک اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ رحمتِ الٰہی کا پیام ہے۔[1]

رحمت کے علاوہ غضب اور انتقام کے موضوعات کا گہرا مطالعہ کرنے سے بھی یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان میں بھی انسانیت کی بھلائی کا عنصر پنہاں ہیں۔ عامۃ الناس کے مفادِ عامہ کے حوالے سے اگر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ظالم کو اگر ظلم سے اللہ تعالیٰ نہ روکے تو وہ انسانیت کو تباہ کر دے۔ اس کا ذکر قرآن میں اس طرح کیا گیا ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ[2]

(اگر اللہ ایک گروہ کو دوسرے کے ذریعے سے دفع نہ کرتا رہتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن اللہ تعالیٰ تو تمام جہانوں پر بڑا افضل کرنے والا ہے۔)

اس آیت کی تفسیر میں مولانا عبد الماجد دریابادی "تفسیر ماجدی" میں یوں بیان کرتے ہیں:

"اس لیے وہ اپنے فضل و کرم سے روئے زمین پر اس فسادِ عظیم کی نوبت ہی نہیں آنے دیتا اور بدکاروں اور نافرمانوں کے غلبہ و تسلط کو نیک لوگوں اور فرمانبرداروں کے ذریعہ سے ہٹاتا اور مٹاتا رہتا ہے۔ غرض یہ کہ ہر ایسے انقلابِ حکومت کے عقب میں رحمتِ الٰہی ہی کام کرتی رہتی ہے۔"[3]

قرآن کی جن آیات میں غضبِ الٰہی اور انتقام کا ذکر آیا ہے ان کے سیاق و سباق میں بھی مغفرت اور رحمت کا ذکر ضرور کیا گیا ہے۔ عذاب، غضب اور انتقام کے ذکر کا مقصد انسان کو تباہ کرنا ہرگز نہیں بلکہ اس کا مقصد انسان کو پیشگی اطلاع دینا ہے کہ وہ بداعمالیوں کی تباہی اور اعمالِ صالحہ کی جزا سے مطلع ہو کر اپنی زندگی میں اعمالِ بد سے بچتے ہوئے کامیابی و کامرانی کو اپنا مقدر بنا لے۔ مزید یہ کہ عدلِ الٰہی میں بھی انسان کے لئے رحمت ہے۔ اگر عدل نہ ہو تو قومیں تباہ ہو جائیں اور نیک و بد کی تمیز وغیرہ نہ رہے۔ اگر حسابِ آخرت نہ ہو تو دنیا میں بلا خوف و خطر انسان ایک دوسرے پر ظلم کرتے رہیں۔

مولانا ابو الکلام آزاد اس ضمن میں یوں لکھتے ہیں:

> "ربوبیت اور رحمت کے بعد مٰلِكِ يَوْمِ الدِّينِ کے وصف نے یہ حقیقت آشکار کر دی کہ اگر کائنات میں صفاتِ رحمت و جمال کے ساتھ قہر و جلال بھی اپنی نمود رکھتی ہے تو یہ اس لیے نہیں کہ پروردِ گارِ عالم میں غضب اور انتقام ہے بلکہ اس لیے ہے کہ وہ عادل ہے اور اس کی حکمت نے ہر چیز کے لئے اس کا ایک خاصہ اور نتیجہ مقرر کر دیا ہے۔ عدل منافی رحمت نہیں ہے بلکہ عین رحمت ہے"[4]

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی رحمت کو مختلف پیرائیوں اور عنوانات کے تحت بیان کیا ہے۔ آئندہ صفحات میں اس ضمن میں مختلف مقاماتِ قرآنیہ کو مختلف تفاسیر کی روشنی میں بیان کیا جا رہا ہے۔

1۔ آغاز رحمت کے بیان سے کیا ہے:

آغازِ قرآن سے اس بات کا بخوبی علم ہو جاتا ہے کہ قرآن رحمتِ الٰہی کا پیغام ہے یا غضبِ الٰہی کا۔ آغاز میں رحمت کا بیان اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ نہ صرف قرآن کا آغاز رحمتِ الٰہی سے کیا گیا ہے بلکہ ہر مسلمان کو پر زور طریقے سے ہدایت کی گئی ہے کہ ہر کام سے پہلے اللہ تعالیٰ کو رحمن اور رحیم کہہ کر ضرور پکارا جائے۔ ہر کام سے پہلے ایسا ذکر (بسم اللہ الرحمن الرحیم) کرنے سے برکت اور اجر کا وعدہ کیا گیا ہے۔ یہ دو اسماء الحسنیٰ ہیں جن میں رحمت کا مفہوم ہے اور یہ مبالغہ کے صیغے ہیں۔ اگر غضب، عذاب اور انتقام کی صفات ہی غالب ہوتیں تو یہاں الرحمن اور الرحیم کی جگہ قہار اور منتقم وغیرہ کے اسماء لائے جاتے۔

اس کے علاوہ قرآن کی موجودہ ترتیب کے اعتبار سے دیکھا جائے تو سورۃ فاتحہ سے آغاز ہو رہا ہے۔ جس کے آغاز میں ایک نہیں پہلی دو آیات میں رحمتِ الٰہی کا مفہوم ہے۔ پہلی آیت میں ربّ کا تذکرہ ہے جس کا معنی ہے پالنے والا اور پالتا وہی ہے جس میں محبت اور احساس کی انتہا ہو۔ اس کے بعد **الرحمن** اور **الرحیم** کا ذکر آیا ہے۔ اگر قرآن قہر اور غضبِ الٰہی کا ہی پیغام تھا تو یہاں پہلی سورۃ کے آغاز میں تین اسمأ الحسنیٰ میں سے کچھ تو غضب اور عذاب کا مفہوم رکھنے والے اسماء لائے جاتے۔ ان اسماء الحسنیٰ میں رحمتِ الٰہی کا انتہائی وسیع اور گہرا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اس وسعت اور گہرائی کو مختلف مفسرین نے بیان کیا ہے۔

مولانا عبد الماجد دریابادی "تفسیر ماجدی" میں اس بابت یوں لکھتے ہیں:

> گویا صفتِ رحمت و شفقت کی انتہائی قوت و شدت کا اظہار رحمن سے ہو رہا ہے اور انتہائی تعدد و کثرت رحیم سے، کیفیت و کمیت کے اس فرق کے اظہار کے لئے رحمن کا ترجمہ "نہایت رحم کرنے والا" اور رحیم کا ترجمہ "بار بار رحم کرنے والا" کیا گیا ہے۔ رحمٰن میں شانِ کرم کا عموم ہے۔ مومن و

کافر سب کے لئے اور اسی لیے اس کا ظہور اسی دنیا میں بھی ہو رہا ہے۔ رحیم میں تجلیِ رحمت و مغفرت کا خصوص ہے، اہلِ ایمان کے ساتھ، اس لیے اس کا پورا ظہور آخرت ہی میں ہو گا۔[5]

سید ابو الاعلیٰ مودودی نے اسماء الحسنیٰ "الرحمن، الرحیم" کے معانی کو گرائمر کی رو سے بیان کیا ہے اور ان کی وسعت اور گہرائی کو بھی واضح کیا ہے۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ انسان کا خاصہ ہے کہ جب کوئی چیز اس کی نگاہ میں بہت زیادہ ہوتی ہے تو وہ مبالغے کے صیغوں میں اس کو بیان کرتا ہے اور اگر ایک مبالغے کا لفظ بول کر وہ محسوس کرتا ہے کہ اُس شے کی فراوانی کا حق ادا نہیں ہوا تو پھر وہ اس معنی کا ایک اور لفظ بولتا ہے تاکہ وہ کمی پوری ہو جائے۔ جو اس کے نزدیک مبالغے میں رہ گئی ہے۔ اللہ کی تعریف میں رحمٰن کا لفظ استعمال کرنے کے بعد پھر رحیم کا اضافہ کرنے میں بھی یہی نکتہ پوشیدہ ہے۔ رحمٰن عربی زبان میں بڑے مبالغے کا صیغہ ہے۔ لیکن خدا کی رحمت اور مہربانی اپنی مخلوق پر اتنی زیادہ ہے، اس قدر وسیع ہے، ایسی بے حد و بے حساب ہے کہ اس کے بیان میں بڑے سے بڑا مبالغے کا لفظ بول کر بھی جی نہیں بھرتا۔ اس لیے اس کی فراوانی کا حق ادا کرنے کے لئے پھر رحیم کا لفظ مزید استعمال کیا گیا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم کسی شخص کی فیاضی کے بیان میں "سخی" کا لفظ بول کر جب تشنگی محسوس کرتے ہیں تو اس پر "داتا" کا اضافہ کرتے ہیں۔ رنگ کی تعریف میں جب "گورے" کو کافی نہیں پاتے تو اس پر "چٹے" کا لفظ اور بڑھا دیتے ہیں۔ درازی قد کے ذکر میں جب "لمبا" کہنے سے تسلی نہیں ہوتی تو اس کے بعد "تڑنگا" بھی کہتے ہیں۔[6]

رحمت کا وسیع اور گہرا مفہوم رکھنے والے ان اسماء الحسنیٰ کا آغازِ قرآن میں ہی یکجا ذکر کیا جانا، ہر کام کے آغاز میں ان اسماء کے ذکر کی تلقین اور آغاز میں اسمِ مبارک "رب" کا آنا یہ بتا رہا ہے کہ قرآن رحمتِ الٰہی کا پیغام ہے۔ نہ کہ غضبِ الٰہی کا۔ رب کے مفہوم کی گہرائی پر اگر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں رحمن اور رحیم کی سی گہرائی اور وسعت ہے۔ ماں اور باپ بھی بچے کو پالتے ہیں لیکن وہ "رب" کی خصوصیت پر اس لفظ کی حد تک پورا نہیں اتر سکتے۔ ربّ کا مطلب ہے پالنے والا اور احکام الحاکمین ایسا پالنے والا ہے کہ انسان کو خلق بھی کیا ہے اور اس کو روزی بھی دے رہا ہے۔ بلکہ اس کی ساری زندگی کے لئے کھانے، پینے، رہنے، سہنے اور سانسیں لینے تک مکمل انتظامات کر دیئے ہیں۔

قرآن میں ان عنایات کا ذکر مختلف مقامات پر کیا گیا ہے اور یہ عنایات رب کے ضمن میں آتی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ[7]

(اور وہی ہے جس نے اتارا آسمان (یا بلندی) سے پانی پھر ہم نے نکالی اس کے ذریعے سے ہر قسم کی نباتات ‘پھر ہم نے اگائے اس سے سرسبز کھیت ‘جن میں سے ہم نکالتے ہیں دانے تہ بر تہ ایک دوسرے کے اوپر چڑھے ہوئے اور کھجور کے گابھے میں سے لٹکتے ہوئے خوشے ‘اور (ہم نے بنا دیے) باغات انگوروں کے اور زیتون اور انار کے جو (رنگ ‘شکل اور ذائقے کے اعتبار سے) آپس میں مشابہ بھی ہیں اور مختلف بھی دیکھو اس کے پھل کو جب وہ پھل لاتا ہے اور دیکھو اس کے پکنے کو جب وہ پکتا ہے یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔)

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ O وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ [8]

(اور وہی ہے (اللہ) جس نے پیدا کیے باغات وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور اور کھیتی ‘جس کے ذائقے مختلف ہیں ‘اور زیتون اور انار ‘ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی اور مختلف بھی کھایا کرو ان کے پھلوں میں سے جبکہ وہ پھل دیں اور اللہ کا حق ادا کرو ان کے کاٹنے (اور توڑنے) کے دن اور بے جا خرچ نہ کرو ‘یقیناً اللہ کو بے جا خرچ کرنے والے پسند نہیں ہیں اور چوپایوں میں سے (اس نے پیدا کیے ہیں) کچھ بوجھ اٹھانے والے اور کچھ زمین سے لگے ہوئے کھاؤ اس میں سے جو اللہ نے تمہیں رزق دیا ہے اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو ‘یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔)

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ O وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ [9]

(اور چوپایوں کو بھی اس نے پیدا کیا ‘ان میں تمہارے لیے گرمی کا سامان اور کئی دوسرے فائدے بھی ہیں ‘اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو۔ اور تمہارے لیے ان میں بڑی شان و شوکت ہے جب تم شام کو انھیں چرا کر لاتے ہو اور جب (صبح کے وقت) چرانے کے لیے لے جاتے ہو۔)

قرآن کے وہ تمام مقامات جہاں سے عنایات ربانی کا اظہار ہوتا ہے، یہ مقامات اتنے کثیر ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا ایک مقالہ میں ناممکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور احسانات کا احاطہ کرنا ممکن نہ ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ[10]

(اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گنو تو ان کا احاطہ نہیں کر سکو گے یقیناً اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔)

مولانا ابو الکلام احمد آزاد اس تمام ربوبیت کو رحمت سے تعبیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لیکن سامانِ زندگی کی بخشائش میں اور ربوبیت کے عمل میں جو فرق ہے اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ اگر دنیا میں ایسے عناصر، عناصر کی ایسی ترکیب اور اشیاء کی ایسی بناوٹ موجود ہے جو زندگی اور نشو نما کے لئے سود مند ہے تو محض اس کی موجودگی ربوبیت سے تعبیر نہیں کی جا سکتی۔ ایسا ہونا قدرتِ الٰہی کی رحمت ہے، بخشش ہے، احسان ہے۔"[11]

2۔ رحمت سے متعلق اسماء الحسنیٰ کی تکرار:

قرآن کے بارے میں یہ برملا کہا جا سکتا ہے کہ یہ رحمتِ الٰہی کا پیغام ہے کیونکہ قرآن میں رحمت سے متعلق اسماء الحسنیٰ کا ذکر بار بار بلکہ تکرار کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت اور گہرائی کو واضح کرنے کے لیے الرحمن اور الرحیم کا ذکر نہ صرف آغاز میں اکٹھا آیا ہے بلکہ قرآن میں کئی مقامات پر ان اسماء الحسنیٰ کا اکٹھا ذکر آیا ہے۔

سورۃ حشر میں ارشادِ ربانی ہے:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ [12]

(وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا، وہ بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے)

مولانا مودودیؒ اس آیت میں الرحمن اور الرحیم کی وضاحت میں یوں بیان کرتے ہیں:

"یعنی وہی ایک ہستی ایسی ہے جس کی رحمت بے پایاں ہے۔ تمام کائنات پر وسیع ہے اور کائنات کی ہر چیز کو اس کا فیض پہنچتا ہے۔ سارے جہاں میں کوئی دوسرا اس ہمہ گیر اور غیر محدود رحمت کا حامل نہیں ہے۔۔۔"[13]

اسی طرح "الرحمان" اور "الرحیم "کا ذکر قرآن میں دوسرے مقامات پر بھی آیا ہے۔ بعض مقامات پر تو مغفرت اور عفو کے ساتھ الرحیم کا اسمِ مبارک آیا ہے۔ رحمت اور مغفرت اور توبہ قبول کرنے کی صفات پر مبنی اسماء الحسنیٰ اکثر مقامات پر اکٹھے آئے ہیں۔ اس کا مقصد رحمت کی وسعت اور گہرائی کو واضح کرنا اور رحمت کی وسعت پر زور دینا ہے۔ دوسرے مقامات پر بھی ایسا ذکر کیا گیا ہے لیکن سورۃ النساء میں زیادہ آیات کے آخر میں التواب الرحیم، غفوراً رحیاً، عفواً غفوراً، رؤف الرحیم کے اسماء الحسنیٰ آئے ہیں۔ گناہ گار کے توبہ کرنے اور اپنی اصلاح کرنے کے بعد فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا[14]

ایک اور مقام پر گزرے ہوئے گناہ کا ذکر کر کے فرمایا کہ جو گزر چکا وہ گزر چکا لیکن اب ایسا کرنا سخت گناہ ہے۔ گزرے ہوئے کی معافی کی تسلی کے لئے آیت کے آخر میں فرمادیا۔

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا[15]

(یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔)

اس کے بعد سورۃ النساء کی آیت نمبر ۲۵، ۲۹، ۴۳، ۶۴، ۹۶، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۶، ۱۱۰، ۱۲۹، ۱۴۹، ۱۵۲ میں اللہ تعالیٰ کے رحمت کا مفہوم رکھنے والے اسماء الحسنیٰ غفور، تواب، رحیم، عفو کا ذکر بار بار کیا گیا ہے۔ رحمت والے ایک ایک اسم کا الگ الگ ذکر نہیں کیا۔ بلکہ دو دو اسماء الحسنیٰ کا ذکر یکجا کیا گیا ہے جیسے غفوراً رحیا، توابا الرحیا وغیرہ۔ اس کے علاوہ قرآن میں دوسرے مقامات پر بھی رحمت اور مغفرت والے اسماء الحسنیٰ یکجا آئے ہیں تاکہ رحمتِ الٰہی کی وسعت اور گہرائی کا پتہ چل سکے۔ سورۃ غافر میں اللہ تعالیٰ کی صفات گناہوں کو معاف کرنا اور توبہ قبول کرنا کو یکجا بیان کیا گیا ہے۔ یہاں "**غافر الذنب و قابل التوب**" کو ایک ہی جگہ ذکر کیا ہے۔ اول الذکر سے مراد گناہوں کو معاف کرنے والا اور ثانی الذکر سے مراد توبہ قبول کرنے والا ہے۔ جب توبہ قبول ہو جائے تو گناہوں کی معافی ضرور ہو جاتی ہے اور اگر صرف گناہوں کی معافی ہو جائے تو اس کے ساتھ توبہ کی قبولیت کا ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ یہاں مغفرت اور قبولیت توبہ کا ذکر انسان اور پھر گناہ گار انسان کو تسلی دینے کے لئے آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات صرف توبہ ہی قبول نہیں کرتی بلکہ گناہ گاروں کے گناہوں کو بھی معاف کر دیتی ہے۔

مولانا مودودیؒ نے یہاں یہ وضاحت کی ہے کہ گناہوں کی مغفرت اور توبہ کی قبولیت کا ذکر اس لیے کیا تاکہ گناہ گار مایوس نہ ہوں کہ اگر وہ توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول نہ کی جائے گی اور گناہ نہ بخشے جائیں گے۔ مولانا مودودی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> تیسری صفت یہ کہ وہ گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ یہ امید اور ترغیب دلانے والی صفت ہے جو اس غرض سے بیان کی گئی ہے کہ جو لوگ اب تک سرکشی کرتے رہے ہیں وہ مایوس نہ ہوں بلکہ یہ سمجھتے ہوئے اپنی روش پر نظر ثانی کریں کہ اگر اب بھی وہ اس روش سے باز آجائیں تو

اللہ کے دامنِ رحمت میں جگہ پاسکتے ہیں۔ اس جگہ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ گناہ معاف کرنا اور توبہ قبول کرنا لازماً ایک ہی چیز کے دو عنوان نہیں ہیں بلکہ بسا اوقات توبہ کے بغیر بھی اللہ کے ہاں گناہوں کی معافی ہوتی رہتی ہے۔ مثلاً ایک شخص خطائیں بھی کرتا رہتا ہے اور نیکیاں بھی اور اس کی نیکیاں اس کی خطاؤں کے معاف ہونے کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ خواہ اُسے ان خطاؤں پر توبہ واستغفار کا موقع نہ ملا ہو بلکہ وہ بھول بھی چکا ہو۔[16]

مولانا عبد الماجد دریا بادی نے "غافر الذنب" اور "قابل التوب" کی وضاحت میں لکھا ہے کہ وہ ذاتِ باری تعالیٰ گناہوں کے معاف کرنے اور توبہ کے قبول کرنے میں کسی قانون کی پابند نہ ہے۔ مولانا عبد الماجد یوں بیان کرتے ہیں "غافر الذنب" ہر گناہ کو محض اپنے ارادے سے معاف کر دینے پر قادر۔ نہ کسی قانونِ مکافات سے مجبور نہ کسی کفارہ کا محتاج۔ قابل التوب۔۔۔ جب اور جس کی توبہ چاہے قبول کرلے، وہ معطل اور محدود الاختیار خدا نہیں۔ غافر و قابل۔ یہ دونوں صفات بھی مستقل اور مستمر ہیں۔ کسی زمانے کے ساتھ مقید و محدود نہیں۔[17]

ایک اور مقام پر مغفرت اور رحمت کو یکجا بیان کیا گیا ہے:۔ ارشاد ہوتا ہے: وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ[18] (اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔) اللہ تعالیٰ نے یہاں مغفرت اور رحمت کو اکٹھا بیان کیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ توبہ کی قبولیت، گناہوں کی مغفرت اور اعمال کی قبولیت کے لئے رحمت لازم ہے۔ رحمتِ الٰہی کے بغیر اگر انسان چاہے کہ میں صرف اپنے اعمال کے بل بوتے پر کامیابی حاصل کر سکوں گا، تو یہ ناممکن ہے کیونکہ صحیح معنوں میں نہ ہی اخلاص سے عبادت کی جا سکتی ہے اور نہ ہی ربِّ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا جا سکتا ہے۔ عدل کی بجائے رحمت و فضل کا طلبگار ہو کر ہی انسان فلاح حاصل کر سکتا ہے۔ مغفرت اور رحمت کے تعلق کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے مفتی احمد یار نعیمی اپنی تالیف "تفسیر نعیمی" میں لکھتے ہیں:

"مغفرت اور رحمت میں فرق بارہا بیان ہو چکا۔ گناہ پر پکڑ نہ کرنا اور بخش دینا مغفرت ہے، نیکی پر ثواب دینا، رحمت، گناہ چھپا لینا مغفرت ہے۔ نیکی تمام پر ظاہر کر دینا رحمت ہے، اس فرمانِ عالی کا مقصد یہ ہے کہ کوئی بندہ کسی حال میں ربِّ تعالیٰ کی مغفرت و رحمت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ہر شخص کو ہر وقت اُس کی مغفرت اور رحمت کی ضرورت ہوتی ہے۔"[19]

مزید ان دو اسماء کے یکجا بیان کرنے کا مقصد یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے گناہ گار بندوں کی توبہ کے نتیجہ میں نہ صرف گناہ معاف کر دیتے ہیں بلکہ اپنی صفت رحمت سے مزید اجر و ثواب بھی عطا کر دیتے ہیں۔

3۔رحمت ومغفرت کی دُعاؤں کا درس:

قرآنی احکامات اور تعلیمات سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ قرآن رحمت کا بیان ہے۔اس کا ایک ثبوت قرآن میں بیان کردہ دُعاؤں سے سامنے آتا ہے۔اگر اللہ تعالیٰ کی ذات اپنے بندوں کو تباہ کرکے اور ان کو نقصان پہنچا کر ہی خوش ہوتی تو دُعا میں بھی کسی جگہ ایسے الفاظ آتے جن سے یہ ظاہر ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی ذات سے عذاب ورسوائی چاہنے کی دعا کا درس دے رہی ہیں۔ ایسا ذکر قرآن میں کسی جگہ پر بھی نہ ہے بلکہ والدین اور دوسرے لوگوں کو ایک دوسرے کو بد دعا دینے سے بھی منع کیا گیا ہے۔انسانوں کو یہ کہا گیا کہ ایک دوسرے کو ہلاکت میں نہ ڈالو بلکہ یہاں تک کہا گیا کہ خیر کو چھوڑ کر شر کے طالب مت بنو۔ قرآن میں کئی مقامات پر دُعاؤں کا ذکر آیا ہے اور ان میں گناہوں سے توبہ کرنے، اللہ کی رحمت طلب کرنے اور خطا وغیرہ پر پکڑ نہ کرنے کی دُعا کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ قرآن کا آغاز ہی دُعائیہ کلمات سے کیا گیا ہے۔ سورۃ فاتحہ میں رحمتِ الٰہی کا مفہوم رکھنے والے اسماء الحسنیٰ "الرحمن اور الرحیم" کا ذکر کرکے یہ واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک رحم کرنے والی ہے نہ کہ عذاب دے کر خوشی محسوس کرتی ہے۔اس کے بعد انعاماتِ ربانی کے حصول کے لئے اور اللہ کے غضب سے بچاؤ کے لئے دُعا سکھائی گئی اور اس کا نماز میں روزانہ بار بار ذکر کرنا سکھایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے اتنا پیار ہے کہ آغازِ انسانیت سے ہی مغفرت اور رحمت کی دُعا سکھا دی۔اس دُعا کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ[20]

(اس پر) وہ دونوں پکار اُٹھے کہ اے ہمارے ربّ، ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ فرمایا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم تباہ ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے۔)

مغفرت اور رحمت سے متعلق یہ دُعا بائبل میں نہ ہے جس کے پیروکار خدا کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور قرآن پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ غضب اور عذابِ الٰہی کا پیغام ہے۔

مولانا عبد الماجد دریابادی اس بابت یوں بیان کرتے ہیں:

"بائبل، آدم و زوجِ آدمؑ کی اس موثر مناجات سے یکسر خالی ہے۔ ابو البشر اور ام البشر کی اس مناجات میں ادب و استغفار کی تعلیم سارے آدم زادوں کے لئے قیامت تک ہے۔ آدمؑ پیغمبر ہیں اور ابو البشر ہیں۔ پھر بھی اپنی غلطی، کوتاہی، لغزش کا اعتراف کس درجہ احساسِ عبودیت سے کر رہے ہیں۔"[21]

قرآن میں دوسرے مقامات پر بھی بہت سی دعاؤں کا ذکر آیا ہے۔ اور جہنم سے آزادی، جنت میں داخلے، گناہوں کی معافی، عذابِ الٰہی سے بچنے اور راہِ حق پر چلنے کی دُعاؤں کا درس دیا گیا ہے۔ بھول چوک اور غلط اعمال کے بغیر صرف غلط سوچنے کو قابلِ مواخذہ قرار نہ دینے کی دُعا بھی سکھائی گئی ہے اور اس میں رحمتِ الٰہی کی انتہاء ہے۔ سورۃ بقرہ کی آخری آیت میں ایسی دعا سکھائی گئی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر انتہائی نرمی، رعایت اور رحمت کا علم ہو جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۟ وَاغْفِرْ لَنَا ۟ وَارْحَمْنَا ۟ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ[22]

(اے ہمارے ربّ! ہم سے مواخذہ نہ فرمانا۔ اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے خطا ہو جائے اور اے رب ہمارے! ہم پر ویسا بوجھ نہ ڈال جیسا کہ تونے ان لوگوں پر ڈالا تھا جو ہم سے پہلے تھے اور ہمارے رب! ہم سے اتنا بوجھ نہ اٹھوانا جتنا بوجھ اُٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہے۔ ہمارے گناہوں سے در گزر کر اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا مالک ہے اور ہم کو کافروں پر غالب فرما۔)

اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اتنے مہربان ہیں کہ قرآن کے ذریعے سے ایسی دعا سکھا دی جس میں خالق کی طرف سے انتہائی نرمی اور رحم نظر آرہا ہے۔ بھول چوک اور غلطی کی معافی کی امید نظر آنے لگی۔ جب مالک خود ایسی دعا سکھا رہا ہے تو معافی کی امید بھی تو قوی ہو گی۔ اس دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کر دیا کہ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جاتا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے ہے جبکہ سابقہ کتب میں تو زیادہ بوجھ ڈالنے کا ہی ذکر ملتا ہے۔ انجیل میں پطرس، حواری، مسیحؑ کا قول، غیر اسرائیلی مسیحیوں کے باب میں نقل ہوا ہے۔

"اب تم ان کی گردن پر ایسا جوا رکھ کر جس کو نہ ہمارے باپ دادا اٹھا سکتے تھے، نہ ہم۔ خدا کو کیوں آزماتے ہو؟[23]

مولانا عبد الماجد دریابادی نے یہاں بوجھ نہ ڈالنے کے ضمن میں لکھا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے ہوا ہے اور وارحمنا سے مراد مولانا نے رحمتِ کامل لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"دُعا کا یہ جزو کمال عبدیت کا مظہر ہے۔ شانِ رحمت کا اقتضاء تو خود ہی یہ ہے کہ ایسا بار ہم پر نہ ڈالا جائے۔۔۔ ورحمنا یعنی رحمت حاصل ہو دنیا اور آخرت دونوں میں۔"[24]

اس کے بر عکس دوسری طرف بائبل میں تو انبیاء کی طرف سے امتوں کے لیے تباہی یا فنا کیے جانے کے لیے بد دعا کا ذکر کچھ مقامات پر ملتا ہے۔ جیسا کہ عہد نامہ قدیم کے حصہ "زبور" میں فنا کیے جانے کا ذکر ہے۔ ایک مقام پر اس طرح بیان ہوا ہے: (قہر میں ان کو فنا کر دے تا کہ وہ نابود ہو جائیں)[25] ایک اور جگہ ایسا بیان ہوا ہے: (وہ ایسے فنا ہو جائیں گے جیسے گھونگا جو گل کر فنا ہو جاتا ہے)[26] اس کے علاوہ بھی کئی مقامات پر انسانوں کی نافرمانیوں کے سبب موجودہ نبی کی طرف سے ایسا کہا گیا ہے۔ قرآنِ مجید میں بیشتر مقامات پر دُعاؤں کا ذکر آیا ہے جن میں گناہوں کی معافی، رحم کرنے، سیدھے راستے پر چلانے، صبر کے عطا کرنے، جہنم سے آزادی اور جنت میں داخلے کی دُعائیں شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امید نہ ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ ایسی رحمتِ الٰہی کی امید ان لوگوں کو دلائی گئی ہے جو گناہِ کبیرہ میں ملوث ہیں بلکہ ظلمِ عظیم شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ ان کو بھی کہا گیا ہے کہ اے میرے بندو! میری رحمت سے نا امید نہ ہونا کہ تم توبہ کرو سہی۔ میں تمہارے سارے کے سارے گناہ معاف کر دوں گا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ[27]

(اے پیغمبر! میری طرف سے لوگوں سے کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، خدا کی رحمت سے ناامید مت ہونا، خدا تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے اور وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔)

مولانا عبد الماجد دریابادی نے یہاں واضح کیا کہ دوسرے مذاہب کا تو ذکر ہی کیا کرنا ہے، خود مسیحیت جو محبت اور ترحم پر ناز رکھتی ہے وہ بھی گناہوں کو ناقابلِ معافی قرار دیتی ہے۔ مزید وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کسی قانون کی پابند نہ ہے۔ مولانا عبد الماجد دریابادی اس ضمن میں یوں رقمطراز ہیں:

"یہ رد ہے مذاہب پر جو خدا کے وجود کے تو قائل ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ وہ عفوو الذنوب پر قادر نہیں۔۔۔ اب جب تک کفر و شرک ترک کر کے ایمان لا رہے ہو تو اب کیا ڈر ہے۔"[28]

دوسرے مذاہب کی تنگی کا تو ذکر ہی نہیں بلکہ خود مسیحیت جسے اپنی محبت و شفقت و ترحم پر ناز ہے۔ اس کا حال انجیل کی زبانی سنیئے۔ "میں تم سے کہتا ہوں کہ آدمیوں کا ہر گناہ اور کفر تو صاف کیا جائے مگر جو کفر روح کے حق میں ہو وہ معاف نہ کیا جائے گا اور جو کوئی ابنِ آدم کے خلاف کوئی بات کہے گا وہ تو اسے معاف کی جائے گی مگر جو کوئی روح القدس کے بر خلاف کوئی بات کہے گا وہ اسے معاف نہ کی جائے گی۔ نہ اس عالم میں نہ آنے والے میں۔"[29]

قرآن جو تصورالٰہ پیش کرتا ہے اس کے مطابق رب العزت ایسا قادر مطلق ہے کہ وہ کسی اور برتر قانون کا پابند و محکوم ہر گز نہیں، وہ رحمت و مغفرت میں کسی رنگ سے معذور نہیں۔ وہ بغیر کسی کفارہ کے جس کو چاہے بخش دے، اس کی صفت رحم پر کوئی قید عائد نہیں بجز اس کی مشیت وارادے کے، وہ جب چاہے اپنے بندوں کی خطائیں بخش دے۔ اس سے بالا کوئی نہ ہے جو اسے روک سکے۔

علامہ قرطبی نے آیت متذکرہ بالا کے ضمن میں لکھا ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں سے منقول ہے کہ قرآن مجید بھر میں سب سے زیادہ پر امید اور تسلی والی آیت گناہ گاروں کے حقوق میں یہی ہے۔ وہ روایت کرتے ہیں: **وقال عبدالله بن عمر۔ وھٰذہ اَرْجی آیة فی القرآن**[30] "اور عبد اللہ بن عمر نے فرمایا کہ یہ آیت پورے قرآن میں سے زیادہ امید والی ہے"

4۔ نیکی کا اجر بے حساب جبکہ برائی کی سزا صرف اتنی ہی ہے:

قرآن میں جو رحمت وعدلِ الٰہی کا تصور پیش کیا گیا ہے اسکو جس زاویہ سے بھی دیکھا جائے اس میں انسان کی بھلائی اور اس پر رحم کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔ ہر معاملہ میں انسان کے لئے گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر کبھی اس سے کوئی غلطی یا خطا سرزد ہو بھی جائے تو معافی کی گنجائش موجود ہے۔ مزید سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے یہ کرم کیا ہے کہ اگر گناہ سرزد ہو جائے تو اس کی سزا صرف اتنی ہی ہے، یعنی گناہ میں اضافہ نہیں ہوگا جبکہ نیکی کرنے کی صورت میں اس کا اجر دس گنا سے لے کر ستر گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھا دیا جاتا ہے۔ اس کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے اور مفسرین کرام نے بھی اس کی وضاحت کی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی کی وجہ سے ہے۔ اس بابت ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ[31]

(جو شخص کوئی نیکی لے کر آئے گا تو اسے اس کا دس گنا اجر ملے گا اور جو کوئی بدی کما لائے گا تو اُسے سزا نہیں ملے گی مگر اسی کے برابر اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔)

یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے ہے کہ نیکی کے اجر کو بڑھا دیا جائے گا جبکہ برائی کی سزا صرف اس کے مطابق ہو گی اس میں اضافہ نہ ہو گا۔ بعض نصوص سے تو یہ بھی ثابت ہے کہ نیکی کے اجر میں اضافہ جو دس گنا ہے یہ کم از کم ہے۔ اللہ تعالیٰ جتنا چاہے گا اس میں اضافہ کر دے گا۔

اس ضمن میں مولانا عبد الماجد دریابادی یوں رقمطراز ہیں:

یعنی ہر نیکی پر دس گنا اجر ملے گا گویا اس نے وہ نیکی دس بار کی ہے اور یہ تو مرتبہ اقل میں ہے ورنہ بعض نیکیوں کا تو اس سے بھی کہیں بڑھ کر اجر دوسری نصوص سے ثابت ہے، یہ نمونہ ہے فضلِ خداوندی کا۔ صوفیاء نے یہاں سے یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے کہ جب ہر نیکی پر اجر کم از کم دس گنا موجود ہے اور یہ مسلم ہے کہ محبتِ الٰہی اور شوقِ بقاء خداوندی سے بڑھ کر کوئی دوسری نیکی نہیں تو جن بندوں نے اپنے کو لقاءِ حق کا منتظر و مشتاق بنا رکھا ہے۔ انہیں یقین رکھنا چاہیے کہ محبوب حقیقی تو خود ان کی لقا کا مشتاق ان سے کم از کم دس گنا ہو گا۔

مزید مولانا عبد الماجد دریابادی نے اس آیت کے آخری حصہ کو "اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔" کی وضاحت میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح معاف کرنے اور نوازنے میں اپنے بندوں پر مہربان ہیں۔ اس طرح خطاؤں پر پکڑ نہیں کرتے بلکہ معافی کا عنصر غالب ہے۔ وہ اس بابت لکھتے ہیں:

> "جن عوام نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح نکتہ نواز ہے۔ اسی طرح (نعوذ باللہ) نکتہ گیر بھی ہے، ان کے خیال کی تردید میں اس قسم کی صراحتیں قرآن مجید میں جابجا موجود ہیں۔"[32]

پیر کرم شاہ الازہری نے یہاں اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت اور ان سے محبت و شفقت کو واضح کرنے میں بڑی کمال کی بات کی ہے کہ اتنا رحم اور شفقت اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی اور شانِ بندہ پروری کی وجہ سے ہے۔[33]

حافظ صلاح الدین یوسف نے بھی "احسن البیان" میں یہ بات واضح کی ہے کہ نیکی کا اجر دس گنا سے لے کر کئی گنا تک بلکہ جتنا رب چاہے ہے اور گناہ کی سزا میں واضح کیا ہے کہ ہر گناہ کی سزا لازم نہ رکھی گئی ہے۔ یہ ان گناہوں کی سزا کا کہا گیا ہے جن پر توبہ نہیں کی گئی اور مزید رعایت یہ کہ اگر گناہ پر نیکیاں غالب آ جائیں، پھر بھی سزا سے معافی ہو سکتی ہے۔ اگر توبہ بھی نہیں کی اور نیکیاں بھی کثرت سے نہیں کیں تب گناہ کی سزا ملے گی اور وہ بھی جتنا گناہ کیا ہو گا صرف اتنی ہی سزا ملے گی۔ وہ اپنی تالیف "احسن البیان" میں لکھتے ہیں:

یہ اللہ تعالیٰ کے اُس فضل و احسان کا بیان ہے جو وہ اہلِ ایمان کے ساتھ کرے گا کہ ایک نیکی کا بدلہ دس نیکیوں کے برابر عطا فرمائے گا۔ یہ کم از کم اجر ہے۔ ورنہ قرآن اور احادیث دونوں سے ثابت ہے کہ بعض نیکیوں کا اجر کئی سو گنا بلکہ ہزاروں اور لاکھوں گنا تک ملے گا اور جن گناہوں کی سزا مقرر نہیں ہے اور اس کے ارتکاب کے بعد اس نے اس سے توبہ بھی نہیں کی یا اس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر غالب نہ آ جائیں، یا اللہ نے اپنے فضلِ خاص سے اسے معاف نہیں فرما دیا (کیونکہ ان تمام صورتوں میں محاذات کا قانون بروئے عمل میں نہیں آئے گا) تو پھر اللہ تعالیٰ ایسی برائی کی سزا دے گا اور اس کے برابر ہی دے گا۔[34]

ایک اور مقام پر قرآن پاک میں اس بابت ذکر آیا ہے کہ جو کوئی نیک کام کرے گا تو اس کو اس سے بہت بہتر اجر ملے گا اور جو کوئی برائی کرے گا تو اس کو صرف اتنا ہی بدلہ دیا جائے گا۔ ارشادِ الٰہی ہوتا ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ [35]

(جو کوئی نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لئے بدلہ ہو گا۔ اس سے بہتر اور جو کوئی برائی لے کر آئے گا تو برائیوں کا ارتکاب کرنے والوں کو بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر وہی کہ جو کچھ وہ کر کے لائیں گے۔)

مولانا عبد الماجد دریابادی نے اس آیت کی وضاحت میں لکھا ہے کہ قرآن جس خدا کا تصور پیش کرتا ہے وہ اپنے بندوں کے ساتھ رحیم اور غفار ہے اور عمل نیک کی جزا میں کوئی حد نہیں رکھی جبکہ گناہ کی سزا میں حد رکھی ہے کہ صرف اتنی ہی سزا ملے گی جتنا گناہ کیا ہو گا۔

وہ اپنی تالیف "تفسیر ماجدی" میں لکھتے ہیں:

"یعنی عالم آخرت کا قانون یہ ہے کہ بدی کا معاوضہ تو صرف اسی قدر ملے گا جتنا اس عملِ بد کا مقتضا ہے اور نیکی کا معاوضہ اس کے اصل مقتضا سے کہیں زیادہ ملا کرے گا جس کا اوّل درجہ حدیثِ نبوی ﷺ کے مطابق دس گنا ہے۔ قرآن کا خدا بندوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا کریم و رحیم ہے تواب غفار خدا ہے۔ مشین کی طرح بے جان و بے ارادہ خدا نہیں۔"[36]

حافظ صلاح الدین یوسف نے اس کی تفسیر میں یہ وضاحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا انتہائی فضل اور کرم ہے کہ نیکی کے اجر کے ادا کرنے میں اپنے فضل و رحمت کا اظہار ہو رہا ہے اور گناہ کی سزا میں عدل کا مظاہرہ ہو رہا ہے کہ برائی کی سزا صرف اس کے مطابق ہی ہو گی اور سب سے بڑھ کر فضل اور رحمت یہ کیا کہ توبہ کی گنجائش بھی رکھ دی ہے۔

حافظ صلاح الدین یوسف اس ضمن میں یوں رقمطراز ہیں:

"یعنی نیکی کا بدلہ تو بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا لیکن برائی کا بدلہ برائی کے برابر ہی ملے گا۔ یعنی نیکی کی جزا میں اللہ کے فضل و کرم کا اور بدی کی سزا میں اس کے عدل کا مظاہرہ ہو گا۔"[37]

اس آیت کی تفسیر میں پیر کرم شاہ نے "ضیاء القرآن" میں بڑی خوبصورت بات کی ہے کہ نیکی کا اجر کئی گنا دینے میں رحمتِ الٰہی کا جوش اور گناہ کی سزا کم از کم دینے کے لئے، تا کہ متعلقہ گناہ سے سزا نہ بڑھے، عدلِ الٰہی پیش پیش ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"جو نیکی کرے گا اس کو اس کی نیکی کا اجر صد ہا گنا عطا فرمایا جائے گا اور جو گناہ کا مرتکب ہو گا اس کو سزا ایک گناہ کی ہی ملے گی۔ ادھر رحمت و کرم کی پیکرانیاں ہیں۔ ادھر عدل و انصاف کے تقاضے۔"[38]

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر فضل خاص ہے کہ وہ ان کی غلطیوں پر ان کو سزا دینے میں انتہائی کمی اور رعایت کرتا ہے بلکہ اس بات کا بڑی شدت سے انتظار کرتا ہے کہ میرا گناہ گار بندہ کسی وقت توبہ کرے اور میں اس کے گناہ بخش دوں۔ دوسری طرف نیکی کرنے کا اجر اصل نیکی سے اتنا زیادہ رکھ دیا کہ کوئی حد مقرر ہی نہیں کی۔ یہ اُس ذاتِ پاک کی رحمت کی انتہا ہے کہ نیکی کے اجر میں اضافے کو بے حد وحساب کر دیا اور گناہ کی سزا کو کم کرنے بلکہ ختم کرنے کے ہزاروں اسباب پیدا کر دیئے۔ یہی معاملہ انفاق فی سبیل اللہ کا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق میں سے اُس کی راہ میں خرچ کرنے سے ایک تو یہ ہوگا کہ وہ خرچ کیا ہوا مال اللہ تعالیٰ اپنے پاس بطورِ قرض قبول کریں گے۔ دوسرے یہ کہ اتنا بڑھا کر واپس کریں گے۔ رحمتِ الٰہی کی کس قدر انتہا ہے کہ ہر وہ معاملہ، کام یا اعمال کا صلہ جو انسان کے لئے فائدہ مند ہو اس میں بغیر کسی حد کے اضافہ ہی اضافہ ہے اور وہ امور جن میں انسان کا نقصان ہے، ان میں عدل کو ملحوظ رکھا کہ جتنا کام یعنی کوئی کوتاہی یا غلطی ہے، صرف اتنی ہی سزا ملے گی بلکہ دوسرے نیک اعمال اور توبہ کے ذریعے ایسی سزا یا عذاب کو بالکل ختم بھی کیا جاسکتا ہے۔

5۔خود قرآن بھی رحمتِ الٰہی کا مجموعہ ہے:

قرآن کے بارے میں مخالفین نے جو غلط تاثر پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس کا پیش کردہ تصور الہ ظالمانہ ہے، یہ سراسر بے بنیاد ہے۔ قرآن تو خود رحمت بھری کتاب ہے جس کا اظہار قرآن میں کئی مقامات پر کیا گیا ہے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لئے رحمت، شفا اور ہدایت کا ذریعہ بنایا ہے۔ جو چیز خود رحمت ہو وہ غضب یا ظلم کا تصور کیسے پیش کر سکتی ہے۔ بعض مقامات پر تو قرآن کو رحمت کے ساتھ ساتھ دونوں جہانوں میں انسان کے لئے برکت اور نصیحت قرار دیا گیا ہے۔ برکت، نصیحت اور رحمت کی وجہ سے اور قرآن پاک کی تلاوت کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اور اس پر عمل کرنے سے تو دنیا و آخرت کی سعادتیں نصیب ہوتی ہیں۔ قرآن مجید انسان کے لئے کئی پہلوؤں کے اعتبار سے رحمت اور بھلائی کا پیغام ہے۔ یہ انسان کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا اور گمراہی سے ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے۔ اس بابت ارشادِ الٰہی ہوتا ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ [39]

(یہ ایک کتاب ہے اس کو ہم نے تم پر اس لیے نازل کیا ہے کہ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لاؤ۔)

اس کی تفسیر میں مولانا تھانوی نے یوں بیان کیا ہے:

”تاکہ آپ ﷺ اس کے ذریعہ سے تمام لوگوں کو ان کے پروردِگار کے حکم سے مرتبہ تبلیغ میں کفر کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان وہدایت کی روشنی کی طرف لائیں۔“[40]

یہاں اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لانے سے مراد گمراہی سے ہدایت کی طرف لانا ہے اور یہ رب تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔ قرآنِ مجید کے دیگر مقامات کا ذکر کر کے مختلف مفسرین کی آراء کی روشنی میں یہ واضح کیا جارہا ہے کہ قرآنِ مجید کو اللہ تعالیٰ نے حقیقتاً انسانوں کے لئے رحمت کے حصول کا ذریعہ بنایا ہے۔

۱۔ قرآن کے آغاز میں ہی یہ بتادیا کہ یہ ایسی کتاب ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہ ہے اور یہ ہدایت ہے پرہیز گاروں کے لئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو چیز ہدایت کا ذریعہ ہو تو ہدایت رحمت ہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہوتا ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ[41]

(یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہ ہے، ڈرنے والوں کی رہنمائی کرتی ہے۔)

یہاں واضح طور پر یہ بتایا جارہا ہے کہ اس کتاب میں کوئی شک نہیں اور مزید یہ کہ یہ اہل تقویٰ کے لئے راہِ ہدایت ہے۔ اس سے بڑھ کر قابل قدر اور رحمت والی چیز اور کیا ہو سکتی ہے جو کامیابی کی طرف بلائے۔

۲۔ قرآنِ پاک میں اکثر مقامات پر اس چیز کا ذکر کیا گیا ہے کہ قرآن میں بلاشبہ رحمت ہے، شفا ہے اور نصیحت بھی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ[42]

(یہ بہت سی دلیلیں ہیں، تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے، اُن لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔)

اس کی تفسیر میں مولانا محمد اشرف علی تھانوی نے یوں لکھا ہے:

"قرآنِ مجید کا مومنین کے لئے ہدایت اور رحمت ہونا مذکور ہے۔ آگے اس کے اس رحمت و ہدایت ہونے کی شرط خطابِ عام سے بتلاتے ہیں کہ وہ استماع و انصات ہے۔ جس کا حاصل توجہ و تدبر فی القرآن ہے۔ اس سے کفار پر تو رحمت جدید ہو گی اور مومنین پر رحمت مزید ہو گی۔"[43]

اس کی وضاحت میں مولانا مودودیؒ نے یوں بیان کیا ہے:

"میں تو ایک رسول ہوں اور میرا مقصد صرف یہ ہے کہ جس نے مجھے بھیجا ہے اس کی ہدایت پر عمل کروں، معجزے کی بجائے میرے بھیجنے والے نے جو چیز میرے پاس بھیجی ہے، وہ یہ قرآن ہے۔ اس کے اندر بصیرت افروز روشنیاں موجود ہیں اور اس کی نمایاں ترین خوبی یہ ہے کہ جو لوگ اسے مان لیتے ہیں ان کو زندگی کا سیدھا راستہ مل جاتا ہے وار ان کے اخلاقِ حسنہ میں رحمتِ الٰہی کے آثار صاف ہویدا ہونے لگتے ہیں۔"[44]

مولانا صلاح الدین یوسف نے بھی "احسن البیان" میں اس بابت یہ وضاحت کی ہے کہ قرآن اللہ کریم کی طرف سے ہدایت اور رحمت ہے۔ اس بابت وہ لکھتے ہیں:

"ہاں البتہ یہ قرآن جو میرے پاس آیا ہے۔ یہ بجائے خود ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔ اس میں تمہارے رب کی طرف سے بصائر (دلائل براہین) اور ہدایت و رحمت ہے، بشرطیکہ کوئی ایمان لانے والا ہو۔"[45]

آیت زیر مطالعہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو روشن دلیل، ہدایت اور رحمت کہا ہے اور یہ بات بھی واضح کی ہے کہ یہ کتاب تمہارے رب کی طرف سے رحمت ہے۔ جو کتاب خود رحمت ہو، وہ غضب، ظلم یا عذاب کا پیغام ترجیحاً تو نہیں دے سکتی۔ اس میں عذاب، غضبِ الٰہی یا دوزخ سے متعلق جو بھی احکامات صادر ہوئے ہیں وہ صرف اور صرف اس لیے ہیں تا کہ لوگ اپنے اعمال کو درست کر لیں۔ اعمالِ باطلہ کو ترک کر کے اعمالِ صالحہ بجالائیں اور کامیابی کے لئے راستہ کو اپنا کر دنیا و آخرت کی بھلائیاں حاصل کریں اسی وجہ سے حصولِ بھلائی کی دعا سکھائی گئی۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ[46]

(اے ہمارے ربّ! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی نصیب فرما اور آگ کے عذاب سے بچا۔)

۳۔ ایک اور مقام پر سورۃ العنکبوت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کتاب میں بے شک رحمت ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰي لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ[47]

(کیا ان کے لئے یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے آپ ﷺ پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ یقیناً اس میں رحمت اور یاددہانی ہے، ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔)

مولانا مودودی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

"یعنی بلاشبہ اس کتاب کا نزول اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی مہربانی ہے اور یہ بندوں کے لئے بڑی پند و نصیحت پر مشتمل ہے۔ مگر اس کا فائدہ صرف وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو اس پر ایمان لائیں"[48]

اس آیت مبارکہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآنِ مجید ایسی کتاب ہے جس میں رحمت اور نصیحت ہے، ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں، رحمت اس وجہ سے کہا گیا کیونکہ اس میں ایسے احکامات اور نصائح موجود ہیں جن پر عمل کر کے انسان رحمتِ الٰہی کو اپنا مقدر بنا سکتا ہے اور دنیا و آخرت کی بھلائیاں حاصل کر سکتا ہے۔

قرآن میں جابجا یہ باور کروایا گیا ہے کہ یہ ہدایت، رحمت، فلاح اور کامیابی کا راستہ دکھانے والی کتاب ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کو عذاب دینا ہی مقصود ہوتا تو قرآن میں کسی جگہ یہ بھی آ سکتا تھا کہ یہ (نعوذ باللہ) غضب اور ناکامی والی کتاب ہے۔ بلکہ بار بار یہی کہا گیا ہے کہ آگ سے بچو، ناکامی سے بچو، عذابِ الٰہی سے بچو اور دوسری طرف بار بار یہ کہا گیا کہ کامیابی اور مغفرت کی طرف دوڑو اور نیک اعمال بجالاؤ تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ تا کہ تم پر رحم کیا جائے تا کہ تم سمجھ جاؤ۔

۴۔ قرآن میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ قرآن مومنوں کے لئے رحمت کے ساتھ ساتھ شفا بھی ہے اور ظالم لوگوں کے لئے یہ عمل نہ کرنے کی وجہ سے نقصان دہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا [49]

(اور ہم قرآن میں وہ چیز نازل فرما رہے ہیں جو ایمان والوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور ظالموں کے لیے تو صرف نقصان ہی میں اضافہ کر رہا ہے۔)

مولانا محمد اشرف تھانوی نے مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت ہونے کی وضاحت اس طرح کی ہے:

"ہم ایسی چیز یعنی قرآن نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں تو (موجب) شفاء اور رحمت ہے۔ (کیونکہ وہ اس کو مانتے اور عمل کرتے ہیں جس سے حق تعالیٰ کی رحمت ان پر ہوتی ہے اور عقائد و اعمالِ فاسدہ سے شفاء ہوتی ہے) اور ناانصافوں کو اس سے اُلٹا نقصان ہوتا ہے، کہ وہ مانتے نہیں زیادہ مغضوب ہوتے ہیں، جبکہ ان کی یہ حالت ہے، پھر ان سے امید قبول اور مخالفت پر حزن بے فائدہ ہے۔"[50]

مولانا عبد الماجد دریابادی نے یہاں یہ وضاحت کی ہے کہ چونکہ قرآن احکام الٰہی پر مبنی ایک بابرکت کتاب ہے، اس وجہ سے اس کے احکام پر عمل خود ہی رحمتِ الٰہی کا جاذب ہو جائے گا۔[51]

مولانا مودودی نے یہاں بڑی وضاحت بیان کی ہے کہ قرآن کو جو کتاب حق مان لیں، ان کے لئے یہ رحمت ہے اور جو اسے نہ مانیں ان کو زیادہ نقصان ہوگا۔ کیونکہ ان کی مثال تو ایسے ہے جیسے ایک آدمی کے سامنے زہر اور تریاق رکھا جائے تو وہ تریاق کے ہوتے ہوئے زہر کو خوراک بنا لے۔

مولانا مودودی بیان کرتے ہیں:

یعنی جو لوگ اس قرآن کو اپنا راہنما اور اپنے لیے کتاب آئین مان لیں ان کے لئے تو یہ خدا کی رحمت اور ان کے تمام ذہنی، نفسیاتی، اخلاقی اور تمدنی امراض کا علاج ہے۔ مگر جو ظالم اسے ردّ کر دیں اور اس کی راہنمائی سے منہ موڑ کر اپنے اوپر آپ ظلم کریں ان کو یہ قرآن اس حالت پر بھی نہیں رہنے

دیتا، جس پر وہ اس کے نزول سے یا اس کے جاننے سے پہلے تھے۔ بلکہ یہ انہیں اُلٹا اس سے زیادہ خسارے میں ڈال دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک قرآن آیا نہ تھا یا جب تک وہ اس سے واقف نہ ہوئے تھے ان کا خسارہ محض جہالت کا خسارہ تھا۔ مگر جب قرآن ان کے سامنے آگیا اور اُس نے حق اور باطل کا فرق کھول کر رکھ دیا تو ان پر خدا کی حجت تمام ہوگئی۔ اب اگر وہ اُسے رد کر کے گمراہی پر اسرار کرتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ جاہل نہیں بلکہ ظالم اور باطل پرست اور حق سے دُور ہیں ان کی حیثیت وہ ہے جو زہر اور تریاق دونوں کو دیکھ کر زہر انتخاب کرنے والے کی ہوتی ہے۔[52]

۵۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے بڑے فلسفیانہ انداز میں قرآن پاک کا لوگوں کے لئے رحمت اور ہدایت ہونا اور اس کے واقعات میں لوگوں کے لئے عبرت کو بیان کیا ہے۔ قرآن درس بھی کامیابی اور رحمتِ الٰہی کا دیتا ہے اور اس کے واقعات میں بھی لوگوں کے لئے عبرت ہے اور اس عبرت میں رحمتِ الٰہی کا عنصر پنہاں ہے۔ اس بابت ارشادِ ربانی ہوتا ہے:

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۭ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ [53]

(ان کے قصوں میں اہل فہم کے لئے (بڑی) عبرت ہے۔ قرآن کوئی گھڑی ہوئی بات تو ہے نہیں۔ یہ (کلام) تو تصدیق (کرنے والا) ہے اس کا جو اس کے قبل (نازل) ہو چکا ہے اور تفصیل ہے ہر چیز کی اور ایمان والوں کے حق میں ہدایت و رحمت ہے۔)

مولانا عبد الماجد دریابادی نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ قرآن کے قصوں کا عبرت ہونا گویا انسان کے لئے رحمت ہونا ہے کیونکہ ان سے اہل فہم بخوبی سمجھ جاتے ہیں کہ اطاعت و فرمانبرداری کا انجام کامیابی کی صورت میں ہے جبکہ نافرمانی کا انجام رسوائی ہی ہے اور قرآن مجید سے ایمان والے دنیا میں راہنمائی اور ہدایت حاصل کرتے ہیں۔ آخرت میں یہ اہل ایمان کے لئے رحمتِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ بنے گا۔[54]

اللہ تعالیٰ یہ واضح کر رہے ہیں کہ قرآن میں جو سابقہ امم کے واقعات بیان ہوئے ہیں وہ بلا مقصد نہیں بیان کئے گئے۔ ان واقعات کا مقصد بھی انسان کی بھلائی اور اس کو کامیابی کی طرف لے کر جانا ہے۔ ان واقعات میں اعمالِ باطلہ پر رسوائی اور اعمالِ صالحہ پر انعامات کے دیئے جانے کا پتا چلتا ہے۔ ذرا بھر بھی عقل و فہم رکھنے والا انسان اِن واقعات سے عبرت حاصل کر کے راہِ حق پر چل سکتا ہے۔ اس وجہ سے ان قصوں کا بیان ان لوگوں کے لئے تو عبرت نہیں بلکہ رحمت ہو گا۔

قرآن نہ صرف عبرت والے قصے اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے بلکہ یہ مومنین کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ اس کے احکامات پر عمل کر کے راہِ ہدایت پر گامزن ہو سکتے ہیں۔ راہِ ہدایت پر چلنے والے قیامت کے دن رحمتِ الٰہی کے حقدار ٹھہریں گے۔

۶۔ قرآن میں ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کو مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت کہا ہے۔ ارشادِ ربانی ہوتا ہے:

وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ [55]

(اور یہ (قرآن) ہدایت اور رحمت ہے، ایمان لانے والوں کے لئے۔)

اس کی تفسیر میں مولانا مودودیؒ نے یہ لکھا ہے کہ جو قرآن کی دعوتِ حق کو قبول کرتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں ان کے لئے یہ رحمت ثابت ہوتا ہے۔ اہلِ عرب اس کی ہدایت کے ذریعے سے آگے بڑھے تو وہ پوری دنیا کے پیشوا اور مہذب تہذیبوں کے امام بن گئے۔ مولانا مودودیؒ یوں بیان کرتے ہیں: یعنی ان لوگوں کے لئے (رحمت) جو اس (قرآن) کی دعوت قبول کرلیں اور وہ بات مان لیں جسے یہ پیش کر رہا ہے۔ ایسے لوگ ان گمراہیوں سے بچ جائیں گے۔ جن میں ان کی قوم مبتلا ہے۔ ان کو اس قرآن کی بدولت زندگی کا سیدھا راستہ مل جائے گا اور اُن پر خدا کی وہ مہربانیاں ہوں گی جن کا تصور بھی کفار قریش آج نہیں کر سکتے۔ اِس رحمت کی بارش کو بھی چند ہی سال بعد دنیا نے دیکھ لیا کہ وہی لوگ جو ریگ زارِ عرب کے ایک گوشہ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے اور کفر کی حالت میں زیادہ سے زیادہ ایک کامیاب چھاپا مار بن سکتے تھے۔ اس قرآن پر ایمان لانے کے بعد یکایک وہ دنیا کے پیشوا، قوم کے امام، تہذیبِ انسانی کے اُستاد اور روئے زمین کے ایک بڑے حصے پر فرمانروا ہو گئے۔ [56]

مولانا مودودی نے یہاں واضح کیا ہے کہ قرآنی احکامات پر عمل کرنے سے صرف یہ نہیں کہ صرف آخرت میں انعامات و برکاتِ الٰہیہ نصیب ہوں گی بلکہ دنیا میں ترقی کی منازل طے کرنے کے لئے بھی صرف اسی نسخہ کیمیا کی راہنمائی کارگر ثابت ہو سکتی ہے۔ اہلِ عرب جو ایک معمولی سی بات پر صدیوں باہم نبرد آزما رہتے تھے اس (قرآن) کو سینے سے لگا کر چلے تو دنیا کے امام بن گئے۔ ایک اور مقام پر فرمایا: هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُحْسِنِيْنَ [57] (قرآن) ہدایت اور رحمت ہے، اہلِ خلوص کے حق میں۔)

مولانا عبدالماجد دریابادی نے یہاں بہت عمدہ وضاحت لکھی ہے کہ اس آیت کریمہ میں قرآنِ مجید کی فضیلت میں لطیف انداز اختیار کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ محسن ہونے کا اطلاق بھی تو ان لوگوں پر ہوتا ہے جو قرآن پر عمل کر کے اخلاق کے اعلیٰ مراتب تک پہنچے ہوں اور انہی کے حق میں ارشاد ہے۔ مزید یہ کہ ہدایت کے مراتب کی انتہا کر دی کہ محسنین تو خود

ہدایت کے اعلیٰ درجہ پر ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے حق میں مزید بیان کر کے ان کو رحمتِ الٰہی سے بھی فیض یاب کیا جارہا ہے۔[58]

پیر کرم شاہ الازہری یہاں اِس طرح بیان کرتے ہیں اگرچہ اس کا آفتابِ ہدایت انسانی زندگی کے گوشہ گوشہ کو منور کر رہا ہے اور اس کا ابرِ رحمت ہر جگہ برس رہا ہے، لیکن اس سے استفادہ کرنے والے صرف محسنین ہیں۔ وہ اپنی تالیف "ضیاء القرآن" میں لکھتے ہیں:

"فرمایا یہ کتاب سراپا ہدایت اور سراپا رحمت ہے۔ یہاں ہدایت اور رحمت کا امتزاج بڑا خوبصورت ہے یعنی شریعتِ اسلامیہ، اس کے اوامر و نواہی، اس کا مالی و بدنی نظامِ عبادات، اس کے مقرر کیے ہوئے حقوق و فرائض سراپا رشد و ہدایت بھی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ رحمت خداوندی کا مظہر بھی ہیں۔ ایسا نظام جو ہدایت بھی ہو اور رحمت بھی، اس کے احکام کی بجا آوری سے تغافلِ قرین دانشمندی نہیں۔"[59]

اِن مقامات کے علاوہ بھی کئی دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی لاریب کتاب قرآنِ مجید کے بارے میں واضح کیا ہے کہ یہ کتاب ہدایت، شفاء اور رحمتِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کے جو اسماء بیان ہوئے ہیں ان کی وضاحت سے بھی یہی بات منتج ہوتی ہے کہ قرآنی تعلیمات کے ہر پہلو میں انسان کے لئے رحمت ہے۔ کسی مقام پر ایسے لوگوں کے لئے نصیحت کہا، کہیں ہدایت کہا اور سابقہ الہامی کتب کی تصدیق کرنے والا کہا اور پھر بعض مقامات پر اُسے رحمتِ الٰہی کہا۔

قرآن "الذکر" ہو پھر بھی رحمت کیونکہ اِس طرح اس سے نصیحت حاصل کر کے انسان دنیا و آخرت میں رحمتِ الٰہی کا حقدار بن جاتا ہے۔ قرآن اگر "الفرقان" ہو پھر بھی رحمت کیونکہ اس طرح سے حق اور باطل میں اس کے ذریعے سے فرق ہو جانے پر حق پر کاربند رہنے والوں کو دنیا اور آخرت میں کامیابی ملتی ہے۔ قرآن "الھدیٰ" ہو، پھر بھی رحمت کہ اس کے احکامات پر عمل کرنے سے انسان صراطِ مستقیم پر چلتا ہے اور انعامات ربانی اس کا مقدر بنتے ہیں۔ اس کی تعلیمات، اس کے مضامین اور عنوانات کے جس حصہ پر بھی عمل کیا جائے تو وہ نتیجتاً انسان کے لئے دنیاوی زندگی کے ساتھ ساتھ اخروی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کا ذریعہ ثابت ہوں گے۔

6۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ہر چیز پر غالب ہونا:

اللہ پاک نے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اپنے بندوں کو بتایا ہے کہ میری رحمت ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے، میرا فضل اور رحمت ہر چیز پر غالب ہے۔ بعض جگہوں پر تو اپنے گنہگار بندوں کو مخاطب ہو کر کہا ہے کہ میری رحمت سے ناامید

نہ ہونا۔ میں تو سارے کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہوں۔ اتنا کہہ کر بس نہیں کیا بلکہ مزید کہا کہ میں بڑا ہی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔

I۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے یہ بتادیا کہ میری رحمت ہر چیز پر وسعت رکھتی ہے۔ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ[60](اور میری رحمت ہر چیز پر وسعت رکھتی ہے۔)اس کی تفسیر میں مولانا محمد اشرف علی تھانوی وضاحت کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں:"اور میری رحمت (ایسی عام ہے کہ) تمام اشیاء کو محیط ہو رہی ہے۔(باوجودیکہ) ان میں بہت سی مخلوق مثلاً سرکش و معاند لوگ اس کے مستحق نہیں مگر ان پر بھی ایک گونہ رحمت ہے۔ گو دنیا ہی میں سہی لیکن پس جب میری رحمت غیر مستحقین کے لئے بھی عام ہے تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام تو (کامل طور پر) ضرور ہی لکھوں گا جو کہ اس کے حسبِ وعدہ مستحق بھی ہیں۔ بوجہ اس کے کہ وہ طاعت کرتے ہیں۔"[61]

مولانا اشرف علی تھانوی نے یہاں یہ وضاحت کی ہے کہ اللہ کی رحمت سے ہر مستحق و غیر مستحق سب فیضیاب ہو رہے ہیں۔ اگر ایسا ہے کہ اللہ کی رحمت سے گناہ گار بھی فیض حاصل کر رہے ہیں تو اطاعت گزاروں کے لئے ضرور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی انعامات ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان ہے اپنے بندوں کے لئے کہ وہ ذات کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرتی۔ مولانا عبدالماجد دریابادی اس بابت اس طرح بیان کرتے ہیں۔یعنی میرے (اللہ کے) قانونِ رحمت کے ماتحت معاملہ تو مجرم و غیر مجرم، نیک و بد سب ہی کے ساتھ ہو رہا ہے۔ البتہ قانون مکافات و مجانات کا عمل خاص خاص افراد کے ساتھ ہوتا ہے۔ آیت میں صاف اس حقیقت کا اثبات ہے کہ قانون فضل تو عام ہے۔ مجرم و مومن سب ہی کے لئے ہے اور اس سے فائدہ سب مخلوق اٹھا رہی ہے البتہ قانون جزا و عدل کا ہر عمل مخصوص ہے جرائم پیشہ افراد کے ساتھ۔[62]

مولانا عبدالماجد دریابادی کی وضاحت سے یہ بات صاف طور پر نظر آرہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو انعام و جزا ہی دینا چاہتا ہے۔ وہ سزا نہیں دینا چاہتا۔ اگر وہ ذات اپنے بندوں کو سزا دے کر خوش ہوتی تو رحمت و غضب کا قانون یکساں نوعیت کا ہوتا۔ اگر رحمت ہر ایک کے لئے عام تھی تو غضب بھی عام ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا فضل ہے کہ اُس نے رحمت کو تو ہر ایک کے لئے عام کر دیا کہ اگر کوئی غلطی یا ظلم کرے اور توبہ بھی نہ کرے اور اس کے گناہ نیکیوں سے کم بھی نہ ہوں تب ہی عذاب ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کی انتہا دیکھئے کہ ایسے حالات کے باوجود بھی عذاب کا آنا لازم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی بہانے سے اپنے گناہ گار بندے کے گناہ معاف کر کے اپنے فضل کے دائرہ میں اُسے لا سکتی ہے۔ مولانا مودودی نے اس بابت انتہائی پر لطیف انداز میں بات کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:"یعنی اللہ تعالیٰ جس طریقے پر خدائی کر رہا ہے۔ اس میں اصل چیز غضب نہیں ہے جس میں کبھی کبھی رحم اور فضل کی شان نمودار ہو جاتی ہے بلکہ اصل چیز رحم ہے جس پر سارا نظام عالم قائم ہے اور اس میں غضب صرف اس وقت نمودار ہوتا ہے جب بندوں کا تمرّد حد سے فزوں ہو جاتا ہے۔"[63]

مولانا مودودی نے رحمت و غضب الٰہی کے فرق کو یہاں انتہائی جامع انداز میں بیان کر دیا ہے۔ اصل چیز جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ نظامِ کائنات چلا رہا ہے، وہ رحمت ہے۔ اگر رحمت کا عنصر بالکل ہی نہ ہو اور سو فیصد ہر معاملہ میں عدل کیا جائے۔ دیدیا احساس ہر معاملہ میں، خواہ وہ خدا اور بندوں سے متعلق ہو یا بندوں کا آپس میں ہو، بالکل ختم کر دیا جائے تو نظامِ کائنات اور انسانی معاشرتی نظام میں سے کوئی بھی نہ چل سکے گا۔ یہ بات ضرور ہے کہ سختی اور غضب بھی ہے لیکن انتہائی مجبوری کے تحت اور وہ بھی ان ظالموں کے لئے جو حد سے بڑھ جائیں اور مہلت پر مہلت دیئے جانے کے باوجود بھی ظلم و ستم سے باز نہ آئیں۔

II۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا علم اور میری رحمت ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔ عرش کو اُٹھانے والے فرشتوں کی طرف سے یہ دعا کی جا رہی ہے، اہلِ ایمان کے حق میں اے ہمارے ربّ چونکہ تیرا علم اور تیری رحمت ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے تو جن لوگوں نے توبہ کی اور سیدھے راستے پر چلے ان کو بخش دے۔ ارشاد ہوتا ہے:

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ [64]

(اے ہمارے پروردِگار تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے تو جن لوگوں نے توبہ کی اور تیرے راستے پر چلے ان کو بخش دے اور دوزخ سے بچا۔)

اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی رحمت اور علم کی وسعت کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔ اس سے رحمتِ الٰہی کی مزید وسعت کا پتہ چلتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ نکل رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم جو انتہائی وسعت والا ہے، وہ ہر مخلوق، فرمانبردار و نافرمان سب کو شامل ہے۔ اسی طرح رحمتِ الٰہی بھی ہر ایک، وہ گناہ گار ہو یا نیکوکار، سب پر برستی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت اور انتہا سے زیادہ وسیع اور کوئی چیز دنیا میں نہیں ہے۔ علمِ الٰہی کے ساتھ رحمتِ الٰہی کو بیان کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جس طرح علم میں اللہ تعالیٰ کی ذات سب پر حاوی ہے اسی طرح رحمت کو بانٹنے یعنی رحم و کرم اور فضل کرنے میں بھی وہ ذاتِ باری تعالیٰ انتہائی وسعتوں والی ذات ہے۔

اس بابت مولانا مودودیؒ نے اس طرح وضاحت کی ہے۔

"یعنی اپنے بندوں کی کمزوریاں، لغزشیں اور خطائیں تجھ سے چھپی ہوئی نہیں ہیں۔ بے شک تو سب کچھ جانتا ہے۔ مگر تیرے علم کی طرح تیرا دامن رحمت بھی تو وسیع ہے۔ اس لیے ان کی خطاؤں کو جاننے کے باوجود ان غریبوں کو بخش دے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بربنائے رحمت ان سب لوگوں کو بخش دے جن کو بربنائے علم تو جانتا ہے کہ انہوں نے سچے دل سے توبہ کی ہے اور فی الواقع تیرا راستہ اختیار کر لیا ہے۔"[65]

اس پر بحث کرتے ہوئے پیر کرم شاہ الازہری نے اس طرح بیان کیا ہے۔

اصل عبارت یوں تھی **وسعت کل شیءٍ رحمتک و علمک**۔ یعنی تیری رحمت اور علم ہر چیز کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہے لیکن اس کے بجائے وسعت فرمائی کہ اس امر کی طرف اشارہ ہو کہ ذاتِ باری تعالیٰ سراپا رحمت اور سراپا علم ہے۔ اور یہاں علم سے رحمت کو مقدم کیا کیونکہ بخشش کا ذکر ہے۔ آدابِ دعا میں سے یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف و تمہید کی جائے، پھر حمدِ باری تعالیٰ کے بعد اس رحیم و کریم کے حضور دستِ سوال دراز کیا جائے۔[66]

حدیث نبوی ﷺ اور بیانِ رحمتِ الٰہی:

احادیثِ مبارکہ میں کئی مقامات پر اس چیز کا ذکر واضح طور پر ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اُس کے غضب پر غالب ہے۔ مزید یہ کہ بعض جگہوں پر تو تفصیلاً رحمتِ الٰہی کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اپنے گناہگار بندوں سے پیار اور گناہوں کو معاف کرنے کے طریقہ ہائے کا ذکر بھی کیا گیا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ اپنے گناہ گار بندوں کی توبہ قبول کر کے تمام گناہوں کو معاف کرتا بلکہ گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں بھی اس بابت وضاحت ملتی ہے۔ اب آئندہ صفحات پر اس بابت احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں اس عنوان کو بیان کیا جا رہا ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہوتا ہے۔

> **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ، قَالَ : كَمَا خَلَقَ اللهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِیْ كِتَابِهٖ وَهُوَ یَكْتُبُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَهُوَ وَضَعَ عِنْدَهٗ عَلَى الْعَرْشِ اِنَّ رَحْمَتِیْ تَغْلِبُ غَضَبِیْ** [67]
>
> ”حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو اس نے اپنے پاس عرش پر رکھی ہوئی کتاب میں لکھ لیا، اُس نے اپنی ذات کے لئے لازم کر لیا ہے کہ میرے غضب پر میری رحمت غالب رہے گی۔)(متفق علیہ)

ایک اور حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اُس کے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔

> **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَہ ؓ عَنِ النَّبِیِ ﷺ قَالَ اِنَّ اللهَ لَمَّا قَضِیَ الْخَلْقَ كَتَبَ عِنْدَهٗ فَوْقَ عَرْشِهٖ اَنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضْبِیْ**
>
> ”حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا فیصلہ فرمایا تو عرش پر اپنے پاس (موجود کتاب میں) لکھ لیا۔ بے شک میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔“[68]

احادیثِ مبارکہ میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ یہ جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل دنیامیں ہورہاہے یہ تو اس کی رحمت کا ایک حصہ ہے جبکہ باقی ننانوے حصے آخرت میں ظاہر ہونگے۔اس سے اُس ذاتِ باری تعالیٰ کی رحمت کے ہر چیز پر غالب ہونے کے بارے میں کوئی ابہام باقی نہ رہ جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جعل الله الرحمة مائة جزءٍ،فامسک عنده تسعةً وتسعین جزءًا،وانزل فی الارض جزءًا واحدًا،فمن ذلک الجزء یتراحم الخلقُ حتی ترفع الفرس هافرها عن ولدها خشیة ان تصیبه۔[69]

(اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو اجزاء بنائے ہیں، پس اس نے اپنے پاس ننانوے اجزاء رکھ لیے ہیں اور زمین میں ایک جزء نازل فرمایا۔ پس اس ایک جزء میں سے مخلوق کا ایک دوسرے پر رحم کا مظاہرہ کرنا ہے، حتیٰ کہ گھوڑے کا اپنے بچے سے اپنے کُھر کا اس ڈر سے اٹھالینا کہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچے)

اللہ تعالیٰ کی رحمت تو بہانے تلاش کرتی ہے کہ انسان کوئی ذرا بھر بھی نیکی کرے اور وہ فلاح یاب ہو جائے۔راستہ سے کانٹا ہٹانے کے بدلے بھی انسان کی بخشش کا احادیث میں ذکر ملتا ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

نزع رجل لم یعمل خیرا قط غصن شوک عن الطریق اما کان فی شجرة فقطعه والقاه واما کان موضوعاً فاماطه فشکر الله له بها فادخله الجنة۔[70]

(ایک آدمی جس نے کبھی کوئی نیکی نہ کی تھی اس نے راستے سے ایک کانٹے دار ٹہنی ہٹائی، اگرچہ وہ درخت کے ساتھ لگی ہو پس اس نے اس کو کاٹ دیا، اور اس کو پھینک دیا اور اگر وہ راستے میں رکھی ہوئی تھی تو اس نے اس کو ہٹادیا۔ پس اللہ نے اس کے اس عمل کی قدردانی کی اور اسے جنت میں داخل کر دیا۔)

اس بابت آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ ﷺ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اُس کے غضب پر غالب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رحمت عام ہے اور ہر قسم کے انسان بلکہ تمام مخلوقات اس سے فیضیاب ہو رہی ہیں۔ جبکہ غضب ایک ایسی چیز ہے جو مجبورًا جب کوئی طبقہ ظلم میں حد سے بڑھ جائے تو ایسوں کو روکنے کے لئے اس کا اظہار ہوتا ہے۔وہ بھی انتہائی کم اور اس میں بھی زیادہ مخلوق کے لئے مصلحتیں اور فوائد پنہاں ہوتے ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ایسا کرنے میں بھی رحمتِ الٰہی کا عنصر ضرور شامل ہوتا ہے۔

خلاصہ بحث:

قرآن میں بھی جو رحمت و غضب اور عدلِ الٰہی کا تذکرہ ملتا ہے، اس میں رحمتِ الٰہی کا ذکر اتنی بار کیا گیا ہے کہ یہ بات بلا چوں وچرا کہی جاسکتی ہے کہ قرآن رحمتِ الٰہی کی کتاب ہے۔ قرآن میں رحمتِ الٰہی کے بیان کا اسمائے الٰہی کے مقامات کے گہرے مطالعہ سے پتہ چل جاتا ہے۔ رحمتِ الٰہی، مغفرت اور محبتِ الٰہی کا ذکر اس قدر کیا گیا ہے جس سے غضب و عدلِ الٰہی کا کوئی شائبہ تک نہ رہتا ہے بلکہ ان میں بھی رحمت کا عنصر ضرور نظر آتا ہے۔ رحمت، غضب، انتقام اور عدلِ الٰہی کے حوالے سے رحمتِ الٰہی کے قرآنی تصور کا مجموعی مطالعہ کرنے سے یہ ہی بات سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات میں سے رحمت کو اوّلیت اور برتری حاصل ہے۔ جب یہ کہہ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے اور یہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے تو کوئی ابہام باقی نہ رہ جاتا ہے۔ قرآن نے اللہ تعالیٰ کی صفات کو اس طرح متعارف کروایا ہے کہ رحمت کے علاوہ جہاں سزا و عذاب کا ذکر ملتا ہے تو ایسے احکامات کا مقصد بھی انسانیت کی بھلائی، فلاح اور مفاد ہی ہے۔ اس لحاظ سے تمام احکامات جو ظاہری طور پر انتقام اور عدل و غضبِ الٰہی سے متعلق بھی ہوں، ان کے مقاصد میں بھی رحمتِ الٰہی کے پہلو ضرور پنہاں ہوں گے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات(References)

1 آزاد، ابوالکلام احمد۔ اُمّ الکتاب۔ لاہور: مکتبہ احباب ۲۰۰۸، ص:۱۴۸

2 البقرہ ۲:۲۵۱

3 دریابادی، عبد الماجد۔ تفسیر ماجدی۔ کراچی: مجلس نشریاتِ قرآن ۲۰۰۰، ج:۱، ص:۴۶۵

4 آزاد، ابوالکلام احمد، اُمّ الکتاب، ص:۲۱

5 دریابادی، عبد الماجد، تفسیر ماجدی، ج:۱، ص:۳۵

6 مودودی، ابو الاعلیٰ۔ تفہیم القرآن۔ لاہور: ادارہ اسلامیات ۲۰۰۸، ج:۱، ص:۴۴

7 الانعام ۶:۹۹

8 الانعام ۶:۱۴۱، ۱۴۲

9 النحل ۱۶:۵، ۶

10 ایضاً ۱۶:۱۸

11 آزاد، ابو الکلام احمد، اُمُّ الکتاب، ص:۳۳

12 الحشر ۵۹:۲۲

13 مودودی، ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، ج:۵، ص:۴۱۲

14 النساء ۴:۱۶

15 النساء ۴:۲۳

16 مودودی، ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، ج:۴، ص:۳۹۲

17 دریابادی، عبد الماجد، تفسیر ماجدی، ج:۶، ص:۱۴۸

18 التوبہ ۹:۹۱

19 نعیمی، احمد یار خاں۔ تفسیر نعیمی۔ لاہور: نعیمی کتب خانہ ۲۰۰۹، ج:۱۰، ص:۵۴۸

20 الاعراف ۷:۲۳

21 دریابادی، عبد الماجد، تفسیر ماجدی، ج:۲، ص:۱۴۵

22 البقرہ ۲:۲۸۶

23 عہد نامہ جدید: اعمال ۱۵:۱

24 دریابادی، عبد الماجد، تفسیر ماجدی، ج:۱، ص:۵۲۲

25 زبور 3:59

26 ایضاً 8:58

27 الزمر ۳۹:۵۳

28 دریابادی، عبد الماجد، تفسیر ماجدی، ج:6، ص:۱۳۳

29 عہد نامہ جدید، متی ۱۲:۳۲۔ مرقس ۳:۲۹، لوقا ۱۲:۱۰

30 ابو عبد اللہ، محمد بن احمد بن ابی بکر۔ تفسیر قرطبی۔ لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب ۲۰۰۹ ج:۵، ص:۲۶۹

31 الانعام ۶:۱۶۰

32 دریابادی، عبد الماجد، تفسیر ماجدی، ج:۲، ص:۱۲۹، ۱۳۰

33 الازہری، محمد کرم، ضیاء القرآن، ج:۱، ص:۶۱۸

34 صلاح الدین، یوسف۔ احسن البیان۔ لاہور: دار السلام ۲۰۱۲، ص:۱۹۵

35 القصص ۲۸:۸۴

36 دریابادی، عبد الماجد، تفسیر ماجدی، ج:۴، ص:۱۸۴

37 صلاح الدین، یوسف، احسن البیان، ص:۵۱۷

38 الازہری، محمد کرم، ضیاء القرآن، ج:۳، ص:۵۱۳

39 ابراہیم ۱۴:۱
40 تھانوی، محمد اشرف علی، بیان القرآن، ج:۲، ص:۲۹۲
41 البقرہ ۲:۲
42 الاعراف ۷:۲۰۳
43 تھانوی، محمد اشرف علی، بیان القرآن، ج:۲، ص:۸۷
44 مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ج:۲، ص:۱۱۴، ۱۱۳
45 صلاح الدین، یوسف، احسن البیان، ص:۲۳۰
46 البقرہ ۲:۲۰۱
47 العنکبوت ۲۹:۵۱
48 مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ج:۳، ص:۱۵۷
49 بنی اسرائیل ۱۷:۸۲
50 تھانوی، محمد اشرف علی، بیان القرآن ج:۲، ص:۳۹۲
51 دریابادی، عبدالماجد، تفسیر ماجدی، ج:۳، ص:۷۰
52 مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن ج:۲، ص:۱۲۹
53 یوسف ۱۲:۱۱۱
54 دریابادی، عبدالماجد، تفسیر ماجدی، ج:۲، ص:۶۵۷
55 النمل ۲۷:۷۷
56 مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ج:۳، ص:۶۰۳
57 لقمٰن ۳۱:۳
58 دریابادی، عبدالماجد، تفسیرِ ماجدی، ج:۴، ص:۲۷۳
59 الازہری، محمد کرم، ضیاء القرآن، ج:۳، ص:۵۹۷
60 الاعراف ۷:۱۵۶
61 تھانوی، محمد اشرف علی، بیان القرآن، ج:۲، ص:۶۰
62 دریابادی، عبدالماجد، تفسیر ماجدی، ج:۲، ص:۲۲۹
63 مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ج:۲، ص:۸۴
64 غافر ۴۰:۷
65 مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ج۴، ص۳۹۵
66 الازہری، محمد کرم، ضیاء القرآن، ج:۴، ص:۲۹۴

67 بخاری، محمد بن اسماعیل۔ الجامع الصحیح۔ بیروت: دارالکتب ۲۰۰۴ء، **کتاب التوحید باب قول اللہ تعالیٰ، یحذرکم اللہ نفسہ**، ج:۶، ص:۶۹۴، رقم الحدیث:۶۹۲۹

68 بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، **کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علیٰ انماء وھو رب العرش العظیم**، ج:۴، ص:۴۱۸، رقم الحدیث:۷۴۵۷

69 ایضاً، **کتاب الادب باب جعل اللہ الرحمۃ مائۃ جزء**، ج:۵، ص:۲۲۳۶، رقم الحدیث:۵۶۵۴

70 ابوداؤد، سلیمان بن اشعث۔ سنن ابی داؤد۔ لاہور: ترجمان القرآن، پبلی کیشنز ۲۰۱۰، **کتاب الادب، باب فی اماطۃ الاذی عن الطریق**، ج:۶، ص:۲۹۷، رقم الحدیث:۵۴۰